حج بیت اللہ سے واپسی اور نبویؐ تعلیمات

حج اسلام کا عظیم ترین رکن اور اہم فریضہ ہے، یہ ہر مسلمان پر استطاعت ہونے کی صورت میں زندگی بھر میں ایک بار عائد ہوتا ہے، اس میں مالی و جانی دونوں طرح کی قربانیاں پیش کرنی پڑتی ہیں، اس کے باوجود اکثر مسلمان مکہ مکرمہ میں واقع اللہ تعالی کے اس گھر کے دیدار کو اپنے لیے نعمتِ غیر مترقبہ سمجھتے ہیں۔ ایک طرف جہاں ہر سال لاکھوں لوگ اپنی تمناؤں کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں، وہیں دوسری طرف بہت سے افراد منوں مٹی تلے اس نیک ارادے کو دل میں ہی لے کر جا سوتے ہیں۔ اللہ تعالی ان سب کو غریقِ رحمت کرے۔ اللہ تعالی کے جن منتخب بندوں کو اس مبارک سفر کی دولت نصیب ہو، انھیں چاہیے کہ درج ذیل باتوں کا لحاظ رکھیں:

حاجی کو پھولوں کا ہار پہنانا: بعض جگہوں پر رواج ہے کہ کوئی شخص حج یا عمرے کے لیے جائے تو اس کے احباب اسے پھولوں یا نوٹوں کے ہار، اسی طرح واپسی پر بھی پہناتے ہیں، یاد رہے حاجی کو رخصت کرنے یا استقبال کے لیے جانے میں تو کوئی حرج نہیں، مگر اس طرح کے ہار پہنانا محض ایک رسم ہے اور شریعت میں من گھڑت رسموں کی کوئی اصل نہیں۔ (زبدۃ المناسک) اغلاط العوام میں مرقوم ہے کہ عام عادت ہے کہ جب کوئی شخص حج کے لیے اپنے گھر سے چلتا ہے تو لوگ پھولوں اور روپیوں کا ہار بنا کر اس کے گلے میں ڈالتے ہیں، جس میں اکثر کی نیت فخر اور شان کی ہوتی ہے، جو کہ شریعت میں ممنوع اور نہایت مذموم ہے، اور اگر اس میں ثواب کی نیت کی جاتی ہے تو اور بھی زیادہ قبیح اور برا عمل ہے، جو واجب الترک ہے۔

حاجی کی دعا: حج اسلام کی ایک عظیم ترین عبادت ہے، اس میں بندہ اپنی جان، مال اور وقت کی قربانی دے کر اپنے رب کو راضی کرنے کی پروانہ وار کوشش کرتا ہے، اور بشارتِ نبوی کے مطابق اللہ تعالی کی جانب سے اس کا خاص اکرام بھی کیا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ کے وفد ہیں، اگر اللہ سے دعا مانگیں تو اللہ قبول فرمائیں، اور اگر اللہ سے بخشش طلب کریں تو اللہ ان کی بخشش فرما دیں۔ نیز خلاصہ کائنات نے ان الفاظ کے ساتھ ان کے لئے دعا فرمائی؛ اے اللہ! حج کرنے والے کی مغفرت فرما دے اور اس کی بھی جس کی مغفرت کی حاجی دعا کرے۔ (الترغیب) نیز رسول اللہؐ نے ہمیں تعلیم دی ہے: جب تم کسی حاجی سے ملاقات کرو تو اس سے مصافحہ کرو اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو، اپنے لیے مغفرت کی دعا کرواؤ، اس لیے کہ وہ بخشا بخشایا ہوا آیا ہے۔

حج کے بعد کیسے رہیں؟: ان سب کے بعد اہم مرحلہ آتا ہے، حج کے بعد زندگی گزارنے کا۔ حضرت سمرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، حج وعمرہ کرو اور استقامت اختیار کرو، تمھارے معاملات درست رہیں گے۔ (طبرانی کبیر) معلوم ہوا اسلامی عبادات؛ جیسے نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ وغیرہ کی سعادت حاصل ہونے پر بھی اگر کوئی نیکیوں پر استقامت اختیار نہ کرے تو یہ محرومی کی بات ہے، اس سے جہاں یہ اندیشہ ہے کہ اس کی عبادت ہی قبول نہ ہوئی ہو کہ اس میں خوش گوار تبدیلی نہیں آئی، وہیں لوگوں کو یہ کہنے کا موقع دینا بھی ہے کہ دیکھو یہ حاجی صاحب ہو کر ایسا کرتے ہیں، کیا فائدہ ایسے حج و عمرے کا؟ لہٰذا حجاجِ کرام کو اللہ تعالی کے مخصوص در پر حاضر ہو کر جو گناہوں سے پاک وصاف ہونے کی دولت ملی ہے، اب پھر خود کو گناہوں سے آلودہ کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے، حجِ مبرور کی علامت بھی یہی ہے، جس پر جنت کا وعدہ ہے۔

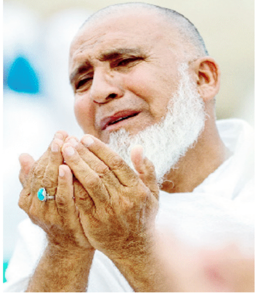

حاجی کی دعوت: ہمارے معاشرے میں حج سے پہلے اور بعد میں حاجی کی دعوت کا بھی رواج عام ہوتا جا رہا ہے، یہاں تک کہ کسی کو سفرِ حج میں رخصت کرنے کے لیے بہت عورتیں جمع ہو جاتی ہیں، جو بالکل خلافِ شرع اور سخت منع ہے، اور غضب یہ ہے کہ بعض تو مستقل دعوت دے کر مجمع بناتے ہیں، جو کہ ریا و نمود کی دلیل ہے، ان سب کو ترک کرنا چاہیے۔ (اغلاط العوام)۔ اسی طرح حج سے واپسی پر بھی اگر ریا و نمود کا شائبہ پایا جائے تو دعوت کا اہتمام نہیں کرنا چاہیے، البتہ اگر دعوت واقعی حج سے واپسی کے جشن میں نہ ہو، اور کسی رسم کی پابندی مقصود نہ ہو، اور نہ اس میں کوئی منکر اور خلافِ شریعت بات ہو، تو ایسی دعوت ممنوع نہیں ہوگی، انشاء اللہ۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں: جب نبی کریمؐ مکے میں پہنچے تو بنی عبدالمطلب کے کئی لڑکوں نے آپ کا استقبال کیا، آپ نے ایک لڑکے کو اپنے سامنے اور دوسرے کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب العمر میں جس باب کے تحت ذکر کیا ہے، اس کا ترجمہ ہے: آنے والے حجاج کا استقبال کرنا اور تین افراد کا سواری پر بیٹھنا۔ اس کے پیشِ نظر علماء نے لکھا ہے کہ نقیعہ بنانا مستحب ہے، یعنی وہ کھانا جو مسافر کے آنے پر تیار کیا جائے، اور اس کا اطلاق مسافر یا کسی اور کی طرف سے بنائے گئے کھانے سب پر ہوتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے اونٹ یا بقرۃ ذبح کی تھی۔ ویسے بھی اس طرح کے مسائل میں بہت زیادہ شدت اختیار نہیں کرنی چاہیے، اس لئے کہ یہ ان کی خوشی میں شرکت ہے، لیکن فضول خرچی سے بچے کہ شریعت میں اس سے روکا گیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: فضول خرچی مت کرو، بے شک اللہ تعالی فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حج پر افتخار و اشتہار نہ کریے: ویسے تو حج کوئی مخفی عبادت نہیں، پھر بھی اپنے نفس کو ریا سے بچانے کا اہتمام کرنا چاہیے، دیکھا جاتا ہے کہ حج سے واپسی پر بہت سے لوگ شیخی بگھارنے میں لگ جاتے ہیں، یہ غیر مناسب ہے۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ اکثر لوگوں کو افتخار اور اشتہار کی عادت ہو جاتی ہے، جہاں بیٹھتے ہیں اپنے حج کے تذکرے کرتے ہیں، تاکہ لوگ ان کو حاجی سمجھیں۔ لوگوں سے فخرا کہتے ہیں کہ ہم نے سفرِ حج میں اتنا روپیہ خرچ کیا، مکے میں اتنا دیا، مدینے میں اتنا خرچ کیا۔ حق تعالی کفار کی مذمت فرماتے ہیں کہ کافر خرچ کر کے گاتا پھرتا ہے کہ میں نے مال کے ڈھیر خرچ کر دیے۔ حج میں افتخار اور اشتہار اور تعظیم و تکریم کی خواہش نہ ہونی چاہیے، اس میں تو تواضع و مسکنت، ذلت و خواری ہونی چاہیے، یاد رکھو اس افتخار اور اشتہار سے سب کی کرائی محنت اکارت ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ صراحتاً اپنے حاجی ہونے کا اگر ذکر نہیں کرتے تو کسی نہ کسی پیرایے میں مخاطب کو بتلاتے ہیں کہ ہم حاجی ہیں۔ ایک بزرگ کسی کے یہاں مہمان ہوئے تو میزبان نے خادم سے کہا کہ اس صراحی کا پانی لانا جو ہم دوسرے حج میں ساتھ لائے تھے۔

مہمان نے کہا کہ حضرت آپ نے ایک بات میں دونوں حج کا ثواب کھو دیا، چوں کہ اس بات میں اس نے بتلا دیا کہ میں نے دو مرتبہ حج کیا ہے، یہ ریا نہیں تو اور کیا ہے؟ (اغلاط العوام)

..........☆☆..........

حضرت عثمان غنی: جود و سخا، حلم و حوصلہ شرم و حیا کے پیکر

مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ، رسولِ اکرمؐ کے دوہرے داماد، خاندانِ بنو امیہ کے چشم و چراغ، ذوالنورین، ذوالہجرتین، اہلِ اسلام کے نورِعین صاحبِ بیعتِ رضوان، جامع قرآن، ناشرِ فرقان، کامل الحیاء والایمان، سیدنا حضرت عثمان بن عفانؓ کا شمار ان جلیل القدر اور بزرگ تر ہستیوں میں ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالی نے معاشرے میں ممتاز حیثیت، اعلیٰ مرتبہ اور عالی صفات سے نوازا تھا۔ ایک انسان کی شخصیت کو جو اوصاف سنوارتے ہیں، وہ سب آپؓ کی ذات میں بدرجہ اتم موجود تھے اور انہیں خوبیوں کے پیشِ نظر آپؓ بلا تفریق تمام قبائلِ عرب میں معزز و محترم مانے جاتے تھے، ان میں سے یہ تین اوصاف آپؓ کی سب سے نمایاں تھے۔ جود و سخاوت، شرم و حیا اور حلم و حوصلہ۔

جود و سخا: اللہ تعالی نے سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کو جس طرح مال کی فراوانی عطا فرمائی تھی، اسی طرح اپنے راستے میں خرچ کرنے کیلئے دریا دلی کی دولت سے بھی نوازا تھا، اسلام کی تعمیر و ترقی کیلئے جب بھی وسیع پیمانے پر مال و دولت خرچ کرنے کی ضرورت پیش آئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پیش پیش نظر آئے، سیرت کے مطالعہ کی روشنی میں ایسے چار اہم مواقع نظر آتے ہیں جہاں آپؓ نے سخاوت کے دریا بہا کر لوگوں کے دل جیت لئے۔ ایک موقع وہ تھا جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے تو مدینہ کا پانی موافق نہ ہونے کی وجہ سے صحابہ کرامؓ پیٹ درد میں مبتلا ہو گئے، شہر سے باہر ''بیر رومہ'' نامی کنواں تھا جس کا مالک ایک یہودی تھا، مسلمان اپنا سرمایہ چونکہ مکہ چھوڑ آئے تھے اور خالی ہاتھ تھے اس لئے ان میں اس کنویں کو خریدنے کی ہمت نہیں تھی، لیکن صاف پانی کی شدید ضرورت تھی، نبی کریمؐ نے فرمایا ''جو شخص بیرِ رومہ خریدے گا اس کیلئے جنت ہے'' حضرت عثمانِ غنیؓ نے یہ بشارت سن کر کنواں خریدنے کی ذمہ داری قبول کر لی اور اس یہودی سے بات چیت کرنے گئے، اس نے اپنی کھیتی باڑی کے عذر کی وجہ سے پورا کنواں بیچنے سے انکار کر دیا اور آدھا کنواں بیچنے پر رضامند ہوا، حضرت عثمانؓ نے بارہ ہزار درہم دے کر آدھا کنواں خرید لیا اور مسلمانوں کیلئے وقف کر دیا، ایک دن یہودی اور ایک دن مسلمان اس سے پانی بھرتے تھے۔ دوسرا موقع وہ تھا جب مسجد نبوی کی توسیع کی ضرورت پیش آئی، ابتداء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہل اور سہیل نامی دو یتیم بچوں سے دس دینار کے بدلے میں مسجد نبوی کی جگہ خریدی تھی، جس کی قیمت سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے ادا کی تھی، لیکن جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی اور مسجد میں جگہ تنگ پڑ گئی تو مسجد کی توسیع کیلئے نبی کریمؐ نے ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ''وہ کون ہے جو ہماری مسجد کیلئے فلاں زمین خرید کر وقف کریگا تا کہ اللہ تعالی اسے بخش دے'' اس رفاہی کام کیلئے بھی حضرت عثمانؓ نے پہل کی اور بیس یا پچیس ہزار درہم کے بدلہ میں یہ زمین خرید کر مسجد نبوی کیلئے وقف کر دی۔

حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار جانور راہِ خدا میں دیئے، جس میں ساڑھے نو سو اونٹ کجاوؤں اور نمدوں سمیت تھے اور پچاس گھوڑے تھے، اس کیساتھ ساتھ نقدی رقم کی صورت میں بھی تعاون کیا جس کی مقدار ایک ہزار اشرفیاں تھی، اپنے جانثار اور محبوب داماد کی جانب سے اس قدر عطا یا دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوشی ہوتے تھے اور ان عطیات کو اپنے ہاتھوں میں الٹتے پلٹتے ہوئے ارشاد فرما رہے تھے'' اس (کثیر تعداد میں خرچ کرنے) کے بعد یعنی عثمان کے جنت میں جانے کیلئے یہی عمل ہی کافی ہے۔ حضرت عثمانِ غنیؓ کے ایک ہزار غلے اور اناج سے لدے ہوئے اونٹ شام سے مدینہ کی طرف آ رہے تھے، تاجر یہ سنتے ہی صبح سویرے حضرتِ عثمان کے دولت کدہ پر پہنچ گئے اور انہیں دس کی خرید پر بارہ درہم کی پیش کش کی، آپؓ نے بیچنے سے انکار کر دیا، انہوں نے تیرہ پھر چودہ اور آخر پندرہ درہم پر اپنا فیصلہ سنا دیا کہ ہم اس سے زیادہ نفع نہیں دے سکتے، آپؓ نے انہیں جواب دیا: میں نے ایک ایسے بیوپاری سے سودہ کیا ہے جو دس پر پندرہ نہیں بلکہ ایک پر دس گنا نفع عطاء کرتا ہے، انہوں نے حیران ہو کر پوچھا کہ وہ کون ہے؟ آپؓ نے فرمایا'' وہ اللہ ہے'' پھر ان سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا'' اے تاجرو! گواہ ہو جاؤ! میں یہ سارا غلہ بغیر کسی قیمت کے صرف اللہ کی رضا کیلئے لوگوں پر خیرات کرتا ہوں'۔

> 01
>
> حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے
>
> ایک شخص نے حضور نبی اکرم ﷺ سے پوچھا: کیا جنت میں بجلی ہوگی آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے بے شک عثمان (ؓ) جب جنت میں منتقل ہوگا تو پوری جنت اس کی وجہ سے چمک اٹھے گی۔
>
> (المستدرک)

شرم و حیاء: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فطرت میں اللہ تعالی نے حیاء کو کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، آپ رضی اللہ عنہ کے دیکھنے، سننے بولنے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے اور ہر عمل سے وقار، سنجیدگی اور شرم و حیاء عیاں ہوتا تھا، صفتِ حیاء کا اس قدر غلبہ تھا کہ نبی کریمؐ بھی آپؓ کا لحاظ کرتے تھے، اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: میرے والد حضرت ابوبکرؓ نے کسی ضرورت سے نبی کریمؐ کے پاس آنے کی اجازت چاہی، اس وقت آپؐ میرے بستر پر میری چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے، آپؐ اسی حالت میں رہے، حضرت ابوبکرؓ آئے اور جو بات کرنا تھی کر کے چلے گئے۔ پھر حضرت عمرؓ کسی ضرورت سے آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، ان کو بھی آپؐ نے اجازت دے دی، وہ آئے اور آپؐ اسی حالت میں رہے، پھر وہ بھی اپنی ضرورت پوری کر کے چلے گئے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اندر آنے کی اجازت مانگی تو آپ سنبھل کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑوں کو اچھی طرح درست فرما لیا اور مجھ سے فرمایا کہ تم بھی اپنے کپڑے (چادر وغیرہ) پوری طرح اوڑھ لو، اسکے بعد آپؐ نے انہیں اندر آنے کی اجازت دی، وہ آئے اور اپنی ضروری بات کر کے چلے گئے، حضرت عثمانؓ کے جانے کے بعد میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے دیکھا کہ آپ نے جیسا اہتمام حضرت عثمانؓ کیلئے کیا ویسا حضرت ابوبکر و عمرؓ کیلئے نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا'' عثمان ایسے آدمی ہیں کہ ان پر صفتِ حیاء کا غلبہ ہے، مجھے اس کا اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے ان کو ایسی حالت میں بلا لیا جس میں میں تھا تو وہ ضروری بات نہ کر سکیں جس کیلئے وہ آئے تھے''، مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں'' کیا میں ایسے شخص سے حیاء نہ کروں جس سے اللہ کے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں''۔

حلم و حوصلہ: حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں آخری چھ سال بہت آزمائش کے تھے، بلوائیوں اور فسادیوں کی طرف سے اسلامی حکومت پر سخت یلغار تھی، ان کی پوری کوشش تھی کہ آپ کو تختِ خلافت سے نیچے اتار دیں لیکن انہیں نبی کریمؐ کی وصیت تھی کہ اللہ تعالی آپ کو خلافت کی قمیص پہنائیگا، اگر منافقین اس کو اتارنے کی کوشش کریں تو اس کو ہرگز نہ اتارنا، اس وصیت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے انہوں نے چالیس دن بھوک اور پیاس کی شدت برداشت کر کے جان دے دی لیکن، نبی کریمؐ کی وصیت کی خلاف ورزی نہیں کی، شہادت سے پہلے جب بلوائی آپؓ کے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے تھے تو اس وقت آپؓ کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم ان کا قلع قمع کرتے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے حلم اور بردباری کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے اور امت کو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس سے آشنا کرتے ہوئے فرمایا'' یہ میرے رسول کا شہر ہے میں اس میں قتل و غارت کو پسند نہیں کرتا''۔

تعلیم و تربیت

گھر ہی تعلیم و تربیت کا گہوارہ ہوتا ہے۔ تربیت بغیر تعلیم کے ادھوری رہ جاتی ہے اور تعلیم بغیر تربیت کے پرخطر بن سکتی ہے۔ تعلیم تقریر کے ذریعے دی جاسکتی ہے لیکن تربیت تقریر کو قبول نہیں کرتی۔ تربیت مثال کے ذریعے دی جاتی ہے۔ بچہ ماں باپ کو دیکھتا ہے اور ان کے طور طریقوں کی نقل کرتا ہے، ان کے نقشِ قدم پر چلتا ہے۔ جو کچھ وہ خود کرتے ہیں اور بچے کے سامنے اسے برا کہتے ہیں۔ بچہ اسے برا نہیں سمجھے گا لیکن ماں باپ کو بالآخر برا سمجھنے لگے گا کہ یہ کرتے کچھ ہیں، کہتے کچھ ہیں۔ جب اس کا ذخیرۂ الفاظ بڑھ جائے گا تو وہ اس طرزِ عمل اور اندازِ گفتگو کو ظاہرداری اور ریاکاری کے نام سے پکارے گا اور اسے برا سمجھنے کے باوجود وہ غیر شعوری طور پر اسی طرزِ عمل کو اختیار کرے گا۔ یہ دورخی اس کے رگ وپے میں سرایت کر جائے گی اور اس کی شخصیت کو کھوکھلا کرے گی۔ ریاکاری سے شخصیت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے۔ انگریزی میں ایک لفظ 'اِنٹے گریٹی' (Entegrity) ہے جس کا ترجمہ اردو میں ''سالمیت'' ہونا چاہئے؛ حالانکہ ہم سرکاری اصطلاح میں اسے ایمان داری کہتے ہیں اور اس سے مفہوم لیتے ہیں کہ یہ شخص روپئے کے معاملے میں کچا نہیں ہے۔ طمع اسے سیدھے راستے سے نہیں ہٹا سکتی۔ رشوت لینے کی اسے عادت نہیں۔ مذکورہ لفظ میں ایمان داری کا یہ روایتی تصور شامل ہے لیکن اس میں اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے اور اس کا سب سے اہم پہلو ہے ظاہر اور باطن کا ایک ہونا؛ برائیوں سے دور رہنے کا مفہوم بھی اس میں شامل ہے۔ اس میں یہ پہلو بھی ہے کہ یہ شخص استقامت رکھتا ہے۔ یہ پل میں تولہ پل میں ماشہ نہیں ہوتا۔ طیش اور پشیمانی، خوف اور افسردگی کے مراحل جلد جلد طے نہیں کرتا۔ یہ بھاری بھرکم ہے۔ دنیا اعتماد کے ساتھ قیاس کر سکتی ہے کہ فلاں صورت حال، فلاں حادثہ، فلاں مصیبت، فلاں کامیابی یا فتح مندی، فلاں شکست میں اس کا ردعمل کیا ہوگا۔ وہ شخصیت ہی کیا جس میں سالمیت کا استر نہ لگا ہوا ہو۔ جس کے طرزِ عمل کے متعلق اس کے جاننے والے صحیح قیاس نہ کر سکیں۔ وہ قدرت کے بڑے بڑے مظاہر سے ہم عناں رہتا ہے۔ سورج کے بارے میں ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ کدھر سے نکلے گا، کدھر جائے گا، کہاں ڈوبے گا۔ چاند کی رفتار بھی متعین ہے۔ دن رات، جوار بھاٹا، موسموں کا ردوبدل سب کے بارے میں بڑی حد تک یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔ یہی حال سالمیت رکھنے والے افراد کا ہے۔ یوں تو سالمیت طبیعت کا جزو ہوتی ہے لیکن اسے مثال سے اور گردوپیش سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اپنے بچوں کو ہم نصیحتیں ضرور کریں، زندگی کے نشیب و فراز، اونچ نیچ بے شک سمجھائیں لیکن نصیحت اور تلقین کو روش اور عمل سے دل نشیں کرنا بے حد ضروری ہے ورنہ بچہ ایک کان سے سنے گا دوسرے کان سے اڑا دے گا۔ وہ شے جو دونوں کانوں کے درمیان دیوار بن کے کھڑی ہو جاتی ہے اور کان پڑی بات کو دماغ (اور دل) سے نکلنے نہیں دیتی وہ ہے مثال۔ ماں باپ، بہن بھائی، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے اطوار و کردار کی مثال۔ سوچئے ہم اپنے بچوں کو بری صحبت سے بچانا کیوں چاہتے ہیں، اسی لئے کہ بروں کی مثال کا ان پر برا اثر پڑے گا۔ اسی منطق سے بچے کے والدین کو چاہئے کہ اچھی سے اچھی مثال بچے کے سامنے لائیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کام برائیوں کو چھپا کر انجام دیا جا سکتا ہے۔ ہر بچہ گھر کا جستجو پیشہ بھیدی ہوتا ہے۔ اس سے اس سے کوئی بات چھپائی نہیں جا سکتی اور چھپایئے گا تو ظاہر اور باطن کے درمیان فاصلہ اور بڑھ جائے گا۔ آپ کی شخصیت مضبوط ہونے کے بجائے اور کھوکھلی ہو جائے گی اور بقیہ عمر سالمیت مرحومہ کا ماتم کرنے میں گزرے گی۔ اچھی مثال پیش کرنا ہے تو اپنے کردار کو سدھاریئے اور سنواریئے تاکہ بچے کے آئینے میں اس کا عکس اچھا پڑے۔

آپ آئے دن ''اونچی'' سوسائٹی میں اطوار کی آب و تاب دیکھتے ہیں۔ شکریہ، نوازش۔ کرم، التفات، معذرت خواہی، لہجہ کی تراش خراش، منجھے ہوئے صیقل گرفتہ، آدابِ محفل، بانکپن اور سج دھج کے ساتھ نشست و برخاست، تسلیم، آداب، کورنش، پہلے آپ، میں کس لائق ہوں، وغیرہ وغیرہ۔ ان شائستہ اطوار کا اپنا ایک مقام ہے۔ تہذیب کی چمک دمک ان سے ہے لیکن اطوار کتنے ہی دیدہ زیب کیوں نہ ہوں، اگر اخلاق اور خیر خواہی لہو کی طرح ان کی رگوں میں نہیں دوڑتی تو وہ نیرس ہیں بے جان ہیں۔ اطوار جب اخلاق اور انسان دوستی سے بے تعلق ہو جاتے ہیں تو وہ محاسن کے بجائے معایب بن جاتے ہیں۔ لوگ ان سے دھوکا کھانے لگتے ہیں۔ یہ بات ضرور بچوں کو سمجھانے کی ہے کہ اطوار کی جڑیں اخلاق اور کردار میں پیوست نہیں ہوتیں تو اطوار کمھلا جاتے ہیں، تصنع اور بناوٹ پر انھیں تکیہ کرنا پڑتا ہے۔ آداب و اطوار کو اخلاق و کردار سے اُستوار کیجئے تو بات ہے ورنہ اطوار ایسا مکان بن جاتے ہیں جو مکین کیلئے ترستے رہتے ہیں۔ بہت سے والدین جنھیں اپنے بچوں کی تعلیم کی عملی فکر ہوتی ہے، علوم کی اس چڑھتی ہوئی دنیا میں علوم کی پیش رفت سے خود کو بہرہ ور اس لئے رکھتے ہیں کہ تحصیل علم میں اپنے بچے کی مدد کر سکیں اور اس کی تونسی ہوئی جستجو کو آنچ بھی دیں اور سیراب بھی کریں۔ وہ کاوش کے ساتھ پڑھتے رہتے ہیں تاکہ اپنے بچے کو پڑھا سکیں، اس کے سوالات کا جواب دے سکیں، اس کی تلاش کی داد دے پائیں۔ یہ رہی بات تعلیم کی۔ جہاں تک تربیت کا تعلق ہے ایسے دوراندیش اور خیر خواہ والدین پر واجب ہے کہ اپنے اخلاق و اطوار کو سنواریں، اپنے کردار کو محکم بنائیں اور اپنی شخصیت کو سالم رکھیں۔ شکستہ، دونیم اور بکھری ہوئی، ہوس پیشہ، ڈھل مل یقین شخصیت کی مثال بچے کے اخلاقی اور ذہنی نشو و نما کیلئے سمِ قاتل بن سکتی ہے، لہٰذا بچے کی فکر ہے تو خود کو سنواریئے، ذہنی اور اخلاقی طور پر اور اسے برے ماحول اور بری صحبت سے حتی المقدور بچایئے۔ جو والدین کم علمی اور ذرائع ناپیدی کی وجہ سے خود ایسا نہیں کر سکتے یا جن کی سیرت میں کجی بری طرح گھس گئی ہے، انھیں چاہئے کہ اپنے بچوں کو ہمسایہ کے اہل کردار اور باخبر افراد سے استفادے کا موقع فراہم کریں۔ فریب دہی اور ریاکاری سے تو ہر صورت میں بچا سکتا ہے۔ اس کیلئے نہ تو علم کی شرط ہے نہ مادی وسائل کی۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ زبان کو اگر عمل کی تائید حاصل نہ ہو تو وہ تربیت کیلئے مثبت اثرات سے محروم رہتی ہے لیکن منفی اثرات اس کے بہر حال بہ کثرت رونما ہوتے ہیں۔ آپ اگر سخت کُھرّی، تلخ اور ترش زبان استعمال کرتے ہیں اور اس میں مغلظات ٹانکتے رہتے ہیں تو بچے بھی وہی زبان استعمال کریں گے۔ سخت کلامی اور ترش روئی اور دشنام طرازی ان کی بھی عادت بن جائے گی۔ بات چیت میں اگر آپ گلا پھاڑتے ہیں اور پہلی فرصت میں کف بہ دہن اور کف بہ آرنج ہو جاتے ہیں تو بچے بھی اسی انداز سے گفتگو کرنا سیکھ جائیں گے۔ آپ سوچ سمجھ کر شائستگی کے ساتھ بات نہیں کریں گے تو بچے کہاں سے یہ طرزِ گفتگو، یہ اسلوب پذیرائی سیکھ پائیں گے، شومیِ قسمت کہ شمالی ہندستان کی بعض مسلم بستیوں یا آبادیوں میں محاربانہ تبادلۂ خیالات کی روش عام ہے۔ سوچ سمجھ کر، غور و فکر کے بعد، نتائج کو نگاہ میں رکھ کر بات یا فیصلہ کرنے کی عادت سے ہماری کچی پکی قیادت اور ہماری اشتعال پیشہ صحافت نے ہمیں محروم کر دیا ہے۔ ہمارے بچے گھر میں اور محلّہ میں جب فیصلہ کی یہ سرعت، جذبے کا یہ استیلا، لہجے کی یہ تلخی، سوقیت کی یہ بھرمار دیکھتے ہیں تو وہ بھی اس سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔ شاعر جو تجربہ اور فکر دونوں سے فائدہ اٹھاتا ہے، کہہ گیا ہے کہ اگر معمار پہلی اینٹ ٹیڑھی لگا دے تو عمارت آسمان تک بھی پہنچ جائے تو ٹیڑھی ہی رہے گی۔ سوچئے کیا آپ معماری کا حق ادا کر رہے ہیں۔ کیا آپ اپنے بچوں کے کردار کی تعمیر صحیح خطوط پر کر رہے ہیں؟ مالی نونہالوں کی حفاظت اور پرورش کتنی محنت اور لگن کے ساتھ کرتا ہے اور دم جب ہی لیتا ہے جب وہ تناور درخت بن جاتے ہیں۔

کیا ہم اپنے گنتی کے نونہالوں کے ساتھ وہ بھی نہیں کر سکتے جو باغباں سیکڑوں پودوں کیساتھ کرتا ہے۔

..........☆☆..........

انہیں کچھ بھی خوفِ خدا نہیں

ابو نصر فاروق صارمؔ

یہ عجیب طرح کے لوگ ہیں ، انہیں کچھ بھی خوفِ خدا نہیں
وہ عذابِ قبر و سوالِ حشر ، انہیں فکر اس کی ذرا نہیں
یہ نبیؐ کو ہیں نہیں جانتے ، کوئی بات اُن کی نہ مانتے
وہ جو سنتوں کا ہے راستہ ، کبھی اس پہ کوئی چلا نہیں
یہ فریب و جھوٹ کی زندگی ، جو گناہوں سے ہے بھری ہوئی
انہیں بس اسی کی ہے آرزو ، اسے یہ سمجھتے خطا نہیں
زر و مال کا جو جنون ہے ، یہ بڑھا ہی جاتا ہے دن بہ دن
یہ حرام ہے وہ حلال ہے ، اسے آج تک ہے سنا نہیں
ہے جو کفر و شرک کی زندگی ، ہیں ستم گری کی جو عادتیں
یہ جو لے کے آگ میں جائے گی ، ہے کسی کو اس کا پتا نہیں
انہیں اپنے حق کی تو فکر ہے ، نہیں دوسرے کا خیال کچھ
یہ روش دکھائے گی رنگ کیا ، کبھی خوف اس کا ہوا نہیں
جو برائیوں پہ خموش ہیں ، کبھی ٹوکتے ہیں نہ روکتے
ذرا صارمؔ ان کو بتایئے ، کہ سزا ہے اس کی جزا نہیں

اسلام میں خُودکُشی کی مذمت

آج کل خودکشی کا رجحان اتنا عام ہوتا جا رہا ہے کہ ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا میں آئے دن خودکشی کے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں، جن کی خبریں اخبارات اور ٹی وی چینلوں کے ذریعے ہم دیکھتے اور سنتے رہتے ہیں۔ خودکشی کیا ہے؟: ''خودکشی بزدلی اور کم ہمتی کی دلیل ہے، یہ کمزور اور مایوس لوگوں کے لئے زندگی کے مسائل ومشکلات، آزمائشوں اور ذمہ داریوں سے راہِ فرار اختیار کرنے کا ایک غیر اسلامی، غیر اخلاقی اور غیر قانونی طریقہ ہے''۔ اس وقت پوری دنیا میں خودکشی کرنے والوں کی اعداد و شمار سے متعلق عالمی ادارہ صحت نے جو رپورٹ پیش کی ہے وہ نہایت ہی چونکانے دینے والی ہے۔ ''عالمی ادارہ صحت کے اعداد و شمار کے مطابق دنیا میں ہر سال دس لاکھ لوگ خودکشی کرتے ہیں، خودکشی کی یہ شرح ایک لاکھ افراد میں ۱۶ رفیصد بنتی ہے، اس حساب سے دنیا میں ہر ۴۰ رسکنڈ کے بعد ایک شخص خودکشی کرتا ہے، دنیا کی کل اموات میں خودکشی کے باعث ہونے والی اموات کی شرح ایک عشاریہ آٹھ فیصد ہے۔ ایک سروے کے مطابق اس شرح میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے۔ صرف بھارت اور چین میں پوری دنیا میں خودکشیوں کی ۳۰ رفیصد اموات واقع ہو رہی ہیں، جو کہ بڑی حولناک شرح ہے''۔ مذکورہ اعداد و شمار نہایت ہی تشویشناک ہے۔

خودکشی کے اسباب: جب ہم اخبار بینی کرتے ہیں تو خودکشی کے ایک سے ایک نئے واقعات سامنے آتے ہیں، کتنے طلبہ امتحان میں ناکامی کی وجہ سے موت کو گلے لگا لیتے ہیں، کتنے لوگ کاروباری خسارہ برداشت نہیں پاتے اور ذہنی تناؤ کا شکار ہو کر اپنے آپ کو مار لیتے ہیں، کبھی میاں بیوی کے درمیان ہوئے تنازع خودکشی کا سبب بنتے ہیں، کبھی بیماریوں سے تنگ آ کر خودکشی کر لیتے ہیں، کبھی فقر و فاقہ اور غربت و افلاس سے بھری زندگی سے مایوس ہو کر اپنے آپ کو مار لینے میں ہی بھلائی سمجھتے ہیں، کتنے لوگ قرض کے بوجھ تلے دب کر اپنے آپ کو مار لیتے ہیں، کبھی ساس بہو کی آپسی لڑائی ایک دوسرے کے خلاف بدگمانی اور روز روز کی خانہ جنگی سے پریشان ہو کر، بہوئیں اپنے آپ کو ختم کر لینے میں ہی بھلائی سمجھتی ہیں اور اپنے آپ کو ختم کر لیتی ہیں، اس کے علاوہ بے شمار حالات اور ہیں جو خودکشی کے سبب بنتے ہیں۔ خودکشی مسئلہ کا حل نہیں: ایک مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھے، اور یہ یقین رکھے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہی ہے، اللہ تعالی ہر حال میں اپنے بندے کو آزماتا ہے کبھی خوشی دے کر آزماتا ہے تو کبھی غم میں مبتلا کر کے آزماتا ہے، کبھی مصائب آلام سے دوچار کرتا ہے تو کبھی دنیا کے وسائل سے بہرور کر کے، کبھی صحت و فراخی کے ذریعے تو کبھی تنگی اور بیماری کے ذریعے، کبھی مالداری اور تونگری دے کر تو کبھی فقر و فاقہ اور غربت و افلاس میں مبتلا کر کے، کبھی اولاد دے کر کبھی بے اولادی سے۔ اللہ ہر طرح سے ہمیں آزماتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کا فرمانبردار بندہ کون ہے اور نافرمان کون۔ ایسے حالات میں ایک مخلص بندہ کی پہچان ہے یہ کہ وہ اپنے رب کی رضا پر راضی ہو، نہ کہ حالات سے مجبور ہو کر خودکشی کر کے بزدلی اور کم ہمتی کا مظاہرہ کریں۔ ایسے لوگ جو ان نامساعد حالات میں ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں اور صبر و شکر کے دامن سے وابستہ رہتے ہیں، اللہ تعالی ان پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے خود ارشاد فرمایا: ''ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو۔ وہ لوگ کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں: ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں'' اس آیت سے پتا چلا کہ ان پریشان کن ماحول میں ان پریشانیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے سب سے بہتر ہتھیار صبر ہے، مگر افسوس اس بات کا ہے کہ جانتے ہوئے بھی ان حالات میں انسان کا ایک بڑا طبقہ ان مصائب و آلام اور تکالیف پر صبر کرنے کے بجائے اپنے آپ کو مار دیتے ہیں، خودکشی کسی مسئلے کا حل نہیں ہے، بلکہ خودکشی خود ایک مسئلہ ہے، جس کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے اور خودکشی کرنے والوں کے لئے سخت اور دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔ قرآن میں خودکشی کی ممانعت: قرآن و سنت کی روشنی میں خودکشی حرام ہے۔ اللہ تعالی قرآن مقدس میں ارشاد فرماتا ہے۔ ''اور اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو'' اس آیت میں اللہ تعالی نے ہر وہ چیز جو ہلاکت کا سبب ہو، ان سب سے باز رہنے کا حکم دیا ہے، حتی کہ میدان جنگ میں بے ہتھیار جانا، یا زہر کھانا، یا کسی طرح خودکشی کرنا یہ سب حرام ہے، اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالی فرماتا ہے۔ ''اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو، بیشک اللہ تم پر مہربان ہے۔ اور جو ظلم و زیادتی سے ایسا کرے گا تو عنقریب ہم اسے آگ میں داخل کریں گے اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے'' خود کو ہلاک کرنے کی چار صورتیں بیان کی گئی ہے، ان چار صورتوں میں سے ایک صورت خود کو ہلاک کرنے کی، خودکشی کرنا ہے، یعنی اس آیت مبارکہ میں بھی اللہ تعالی نے خودکشی سے منع فرمایا ہے۔ اور ہر اس چیز سے منع فرمایا جو انسان کی ہلاکت کا سبب ہے۔

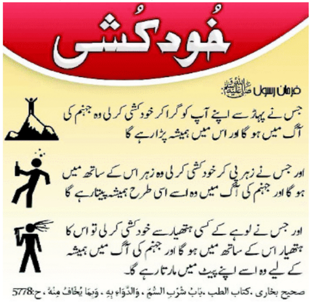

خُودکُشی

فرمان رسول ﷺ:

جس نے پہاڑ سے اپنے آپ کو گرا کر خودکشی کر لی وہ جہنم کی آگ میں ہو گا اور اس میں ہمیشہ پڑا رہے گا

اور جس نے زہر پی کر خودکشی کر لی وہ زہر اس کے ساتھ میں ہو گا اور جہنم کی آگ میں وہ اسے اسی طرح ہمیشہ پیتا رہے گا

اور جس نے لوہے کے کسی ہتھیار سے خودکشی کر لی تو اس کا ہتھیار اس کے ساتھ میں ہو گا اور جہنم کی آگ میں ہمیشہ کے لیے وہ اسے اپنے پیٹ میں مارتا رہے گا۔

صحیح بخاری ،کتاب الطب ،بَابُ شُرْبِ السُّمِّ ، وَالدَّوَاءِ بِهِ ، وَبِمَا يُخَافُ مِنْهُ ، ح:5778

احادیث میں خودکشی کی مذمت: خودکشی سے متعلق چند احادیث بھی ملاحظہ کریں کہ کس قدر اللہ کے نبیؐ نے خودکشی کرنے والوں کے لئے عذاب اور وعیدیں بیان فرمائی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ: اللہ کے نبیؐ ارشاد فرماتے ہیں: ''جس نے اپنا گلا گھونٹا وہ جہنم میں اپنا گلا گھونٹتا رہے گا اور جس نے خود کو نیزہ مارا وہ جہنم کی آگ میں خود کو نیزہ مارتا رہے گا''۔ (بخاری، کتاب الجنائز)۔ دوسری حدیث جو حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی مروی ہے، سرکار مدینہؐ نے ارشاد فرمایا: جو پہاڑ سے گر کر خودکشی کرے گا وہ نار دوزخ میں ہمیشہ گرتا رہے گا، اور جو شخص زہر کھا کر خودکشی کرے گا وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ زہر کھاتا رہے گا۔ جس نے لوہے کے ہتھیار سے خودکشی کی تو دوزخ کی آگ میں وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ اس سے اپنے آپ کو ہمیشہ زخمی کرتا رہے گا۔ آج خودکشی کے لئے جن طریقوں کو اختیار کیا جاتا ہے وہ سب نہایت ہی اذیت ناک ہوتے ہیں۔ اس حدیث کی روشنی میں پتا چلا کہ دنیا میں خودکشی کرنے والا جو بھی طریقہ اختیار کرے گا جہنم میں اس کو اسی کے ساتھ عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، یعنی اسی کے ذریعے اس کو عذاب دیا جائے گا۔ خودکشی کتنا سنگین جرم ہے اس کا اندازہ رحمتؐ کے اس عمل سے لگا سکتے ہیں کہ آپ سراپا رحمت ہونے کے باوجود خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی، جب کہ آپ کے اخلاق کریمانہ کا عالم یہ تھا کہ آپ اپنے دشمنوں کو بھی دعائیں دیتے۔ اس حوالے سے ایک حدیث ملاحظ فرمائیں۔ حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے سامنے ایک شخص لایا گیا جس نے اپنے آپ کو نیزے سے ہلاک کر لیا تھا، پس آپؐ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔ کس قدر نبی کریمؐ نے خودکشی کرنے والوں سے ناراضگی کا اظہار فرما کر ہمیں اور آپ کو اس سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ اس کے علاوہ سنن ابوداؤد، نسائی، مسند احمد ابن حنبل وغیرہ میں بھی احادیث موجود ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ خودکشی کسی مسئلے کا حل نہیں ہے، بلکہ ایک بہت بڑا گناہ اور غیر اخلاقی اور غیر اسلامی طریقہ ہے، جس سے ہر انسان کو بچنا چاہئے۔